میدانِ فتویٰ کا نایاب شہسوار

مفتی راشد ابوبکر
رفیق دارالافتاء واستاذ جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد

''أشد الناس بلاء الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل '' یہ ایک حدیث ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مشکلات و مصائب کا سامنا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ذات طیبات کو اپنے فرض منصبی کی تکمیل میں کرنا پڑتا ہے، اور پھر انبیا علیہم السلام کے بعد جو جس قدر مقصد نبوت کے قریب ہوگا، اسی قدر اس کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث شریف کے آئینہ میں اگر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی قائم کردہ عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ، دیوبند ثانی، مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شہادتوں اور قربانیوں کی تاریخ کو دیکھا جائے تو جامعہ کی عنداللہ مقبولیت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ چند سالوں میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، حضرت مولانا محمد بنوری شہیدؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی سید سعید احمد اخوندزادہ مردانی شہیدؒ، حضرت مولانا خلیل اللہ شہیدؒ، حضرت مولانا انعام اللہ شہیدؒ، حضرت مولانا ارشاد اللہ عباسی شہیدؒ، اور اب حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ، اور حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑوی شہیدؒ نور اللّٰہ مراقدھم وطَیَّبَ اللّٰہ آثارھم وجعل الجنۃ مثواھم جیسے اساطین امت کو موت کی نیند جامعہ کے ساتھ تعلق کی بناء پر ہی سلایا گیا، لہٰذا اگرچہ شہداء کے فراق کے غم میں دل اداس ہیں، مگر یہی شہادت جس کو دشمن اپنی کامیابی تصور کرتا ہے، جامعہ کی حقیقی کامیابی کی دلیل بھی ہے اور ان شاء اللہ! جامعہ کی تا قیامت بقاء کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی۔

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے
بہت زرخیز ہوتی ہے بہت شاداب ہوتی ہے

۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء کو ایک بار پھر جامعہ کو خون میں نہلا دیا گیا، دشمن نے ایسی گھناؤنی وارداتوں میں جو روایت قائم کی تھی کہ اپنا ہدف قیمتی سے قیمتی ہستی کو بنایا جائے، پہلے کی طرح اس بار بھی دشمن نے اپنی اس روایت کو برقرار رکھا کہ گلستانِ بنوری کے دارالافتاء جیسے اہم پودے کے ''تنے'' دارالافتاء کے نائب رئیس، استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور معاون مفتی، حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اوران حضرات کی ''پک اینڈ ڈراپ'' کی خدمت پر مامور حسان علی شاہ صاحب کو دن دہاڑے شہید کر کے اپنے سیاہ کارناموں میں اضافہ کیا۔ دشمن جو ایسے گھناؤنے کارناموں کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کتاب مقدس میں قتل علماء کو قتل انبیاء کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ'' . (آل عمران:۲۱)

ترجمہ: ''اور انصاف کی تلقین کرنے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں آپ (ﷺ) ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے علماء کے قاتلوں کے لئے عذاب الیم کو ذکر فرمایا ہے اور مفسرین لکھتے ہیں کہ جہنم میں جتنی انواع واقسام کے عذاب ہوں گے، ان میں سب سے سخت عذاب' عذابِ الیم ہوگا، کیونکہ عذابِ الیم ایسا عذاب ہے کہ جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے، أعاذنا اللّٰه منه۔

حضرت دین پوری شہیدؒ کاروان بنوری کے ایک مخلص فرد تھے۔ احقاقِ حق اور اور احکامِ دین پر عمل میں حضرت استاذ'' لایخافون لومة لائم '' کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے عالمی ادارے کے دارالافتاء جیسے اہم شعبے کے مسند نشیں ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری اور تواضع کا پیکر تھے۔ ہمیشہ گردن جھکا کر چلتے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میں نے حضرتؒ کے جسم پر کبھی کلف والا لباس نہیں دیکھا، طلباء کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے۔ حضرت بنوری علیہ الرحمۃ کے ساتھ والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ جب بھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت بنوریؒ کی قبر پر حاضری دیتے۔ بازار سے سودا سلف خود جا کر خریدتے اور اکثر اٹھا کر بھی خود ہی لاتے، اگر کوئی طالب علم سامان پہنچانے کی خدمت کی درخواست کرتا تو بہت کم اس کو موقع دیتے تھے۔

گزشتہ چار پانچ سال سے گھٹنوں میں بہت زیادہ تکلیف رہنے لگی تھی، مگر اس کے باوجود بنوری ٹاؤن میں ہوتے ہوئے صف اول کی نماز فوت نہیں ہوتی تھی۔ گزشتہ سال وفاق کے پرچوں کی مارکنگ ملتان جامعہ خیر المدارس میں ہوئی تھی اور یہ بہت زیادہ گرمی کے دن تھے، مجھے وہ منظر بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں میں ظہر کی اذان ایک بجے ہو جاتی تھی اور نماز ڈیڑھ بجے ہوتی تھی، مگر حضرتؒ دوپہر کی

کڑکتی دھوپ میں اذان کے فوری بعد اپنے آرام دہ اے سی کمرے سے نکل کر مسجد روانہ ہو جاتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما کر دیر تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور جب واپس آتے تو تمام کپڑے پسینے کے ساتھ شرابور ہو چکے ہوتے، مگر اذان کے بعد کمرے میں بیٹھنا گوارہ نہ فرماتے۔

احقر نے اپنے دو سالہ تخصص میں حضرت الاستاذؒ کو بہت قریب سے دیکھا، بلا شبہ حضرت اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ چونکہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے جاری ہونے والے تمام فتاویٰ پر آخری دستخط حضرتؒ کے ہوتے تھے اس لئے بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ زبانی و تحریری فتاویٰ کا جتنا کام بنوری ٹاؤن جیسے ملک کے مصروف ترین دارالافتاء میں ۸/۷ جیّد و تجربہ کار مفتیان کرام کرتے تھے، حضرت الاستاذؒ اتنا کام بڑھاپے کے ضعف واعذار اور کتبِ حدیث کی تدریس اور امامت وخطابت جیسی ہمہ گیر مصروفیات کے باوجود اکیلے تنِ تنہا کرتے تھے۔

حضرتؒ فتویٰ کے میدان کے ایسے شہسوار تھے کہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے: برجستہ جواب، قرآن وحدیث پر گہری نظر، فقہی جزئیات کا استحضار اور ان سے برموقع استدلال، تحریری فتاویٰ میں بڑی سے بڑی غلطی اور چھوٹی سے چھوٹی چوک پر یکساں گرفت اور اس کی مربیانہ اصلاح حضرت شہیدؒ کا طرۂ امتیاز تھا، اس بات کی گواہی یقیناً وہ سینکڑوں متخصصین کرام دیں گے جنہوں نے ایک دہائی سے زائد عرصہ میں حضرتؒ سے اس میدان میں استفادہ کیا ہے۔ بلا مبالغہ صرف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں حضرتؒ روزانہ درجنوں، ماہانہ سینکڑوں اور سالانہ ہزاروں فتاویٰ کی تصحیح فرماتے۔ جامعہ کے استاذ اور دارالافتاء میں حضرتؒ کے رفیق کار مولانا مفتی شعیب عالم صاحب مدظلہم نے حضرتؒ کے صرف بنوری ٹاؤن کے فتاویٰ کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ لگایا ہے، جب کہ زبانی فتاویٰ اس سے کئی گنا زیادہ ہوں گے اور دیگر اداروں کے فتاویٰ اس تخمینے میں شمار نہیں کئے گئے، یہ حساب ۱۹۹۸ء کے بعد کے فتاویٰ کا ہے اور حضرتؒ ۱۹۷۴ء سے فتویٰ کے شعبے کے ساتھ باقاعدہ منسلک رہے ہیں، تو یوں حضرتؒ نے اپنی زندگی میں تقریباً ۳۸ (اڑتیس) سال افتاء نویسی کی خدمت سرانجام دی ہے، جس سے کل فتاویٰ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرتؒ کے فتاویٰ میں اکابر کا احتیاط اور ان کے مسلک ومشرب کی کامل تقلید نمایاں تھی۔ جدید مسائل میں اپنی تحقیقات کی بجائے اکابر کی رائے کو خود بھی اپناتے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین فرماتے، خاص کر مسئلۂ تکفیر میں بہت احتیاط فرماتے۔ تخصص کے دوسرے سال میں ایک مرتبہ احقر کے پاس ایک استفتاء آیا کہ سندھ کے ایک مصنف ڈاکٹر انور علی عالمانی نے لندن کے ایک اسکالر علامہ آء، آء قاضی کی انگلش تقاریر کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، اس ترجمہ میں ڈاکٹر عالمانی سے یہ غلطی ہوئی کہ ''سورۂ مدثر'' کی آیت ''یاأیہا المدثر'' میں علامہ نے انگلش میں ترجمہ کیا تھا o.you entolded in your

mantle جو کہ بالکل درست تھا، مگر ڈاکٹر عالمانی نے لفظ mantle (مانٹل) کا ترجمہ mentle (مینٹل) کے اعتبار سے کر دیا، جس سے ترجمہ غلط ہوا، اور ترجمے میں توہین رسالت کا شبہ ہونے لگا تو مقامی مسلمانوں نے ڈاکٹر موصوف پر توہین رسالت کا مقدمہ درج کروا دیا اور مقدمے کی پیروی کی مضبوطی کے لئے جامعہ سے فتویٰ طلب کیا۔ میں جب اس استفتاء کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے دیکھتے ہی تمام صورتِ حال کو سمجھ لیا اور ''دی آکسفورڈ ڈکشنری'' میں دیکھا تو واقعہ کی اصل حقیقت بالکل اسی طرح سامنے آئی جیسے استاذ محترمؒ نے بیان فرمائی تھی۔ اور ڈاکٹر عالمانی کی یہ غلطی چونکہ توہین رسالت کے زمرے میں نہیں آتی تھی، اس لئے فتوے میں اس غلطی کو توہین رسالت سے خارج قرار دلوایا، مگر اس مسئلے کی حساسیت کی بناء حضرت شہیدؒ نے دارالافتاء کے تمام مفتیان کرام کی ایک میٹنگ بلوائی اور تمام مفتیان کرام کی مشاورت سے اس کا جواب لکھا گیا۔

لیکن اس احتیاط میں حضرت نہ تو افراط کا شکار تھے اور نہ ہی تفریط کی طرف مائل تھے، چنانچہ ایک مرتبہ توہین رسالت ہی کا ایک مسئلہ تھا، جس میں ایک خبیث نے اپنے باطنی خبث کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا جواب جب ایک متخصص لکھ کر لے گئے تو اس سے فرمایا کہ جواب بالکل درست ہے، مگر اس کی خباثت کے اعتبار سے الفاظ بہت نرم استعمال کئے گئے ہیں، چنانچہ اس فتوے کو دوبارہ لکھنے کا حکم دیا۔

یومیہ درجنوں ڈاک اور دستی فتاویٰ کی تصحیح مکمل سوال وجواب کو پڑھے بغیر نہ فرماتے تھے، حالانکہ حضرت کے پاس آنے سے پہلے فتوے کی تصحیح جید مفتیان کرام فرما چکے ہوتے تھے۔ حضرتؒ پر دارالافتاء کے کام کی ایک دھن سوار ہوتی تھی کہ رات کو عشاء کے بعد دارالافتاء تشریف لاتے اور جب تک اگلے دن کی واپسی کے تمام فتاویٰ کی تصحیح نہ فرما لیتے، واپس نہ جاتے۔

اگر حضرت شہیدؒ کے پورے دن کی مصروفیات اور کام کو دیکھا جائے تو بلا شبہ اتنا کام آج کا نوجوان اپنے مضبوط اعضاء اور تازے خون کے ساتھ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت اکثر نماز فجر پہلی صف میں ادا فرماتے اور نماز کے بعد دیر تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے، معمولات سے فارغ ہو کر روزانہ حضرت بنوریؒ کی قبر پہ حاضری دیتے اور پھر دارالافتاء آکر دورۂ حدیث شریف کے سبق کا مطالعہ فرماتے، اور یہیں سے دارالحدیث تشریف لے جاتے اور دورۂ حدیث کا پہلا سبق پڑھاتے جو کہ مدرسے کے عام وقت سے پون گھنٹہ پہلے شروع ہوتا تھا۔ سبق سے فراغت کے بعد دفتر میں بیٹھ کر کچھ دیر اخبار پڑھتے اور پھر گھر تشریف لے جاتے اور ناشتے کے بعد دارالافتاء میں جلوہ افروز ہوتے اور بارہ بجے تک تحریری فتاویٰ کی تصحیح فرماتے۔ زبانی مسائل پوچھنے والوں کو بھی نمٹاتے اور پی. ٹی. سی. ایل اور موبائل فون پر بھی سوالات کے جواب دیتے۔ بارہ بجے کے بعد بخاری پڑھانے کے لئے جامعہ درویشیہ تشریف لے جاتے، (یہیں جاتے ہوئے حضرتؒ نے جام شہادت نوش فرمایا) پھر ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز کی ادائیگی کے

بعد کچھ دیر آرام فرماتے، دوبارہ عصر تک کے لئے دارالافتاء تشریف فرما ہوتے۔مغرب کے بعد حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ (جوکہ اب حضرتؒ کی شہادت کے بعد خود بھی وفات پاگئے ہیں، رحمہ اللہ) کے مدرسہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی بہادرآباد کے دارالافتاء میں حل شدہ فتاویٰ کی آخری تصحیح فرماتے۔عشاء کے بعد پھر بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں تشریف لاتے اور ساڑھے دس یا گیارہ بجے تک فتاویٰ کی اصلاح فرماتے۔تقریباً رات گیارہ بجے گھر جاتے اور پھر اگلے دن جب صبح فجر کی نماز میں ’’وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ‘‘ پرعمل پیرا ہوکر پہلی صف میں نظر آتے تو ایک طرف خدائی وعدہ ’’قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ‘‘ کا یقین کامل ہوتا اور دوسری طرف اکابر کے تقویٰ وطہارت کے واقعات کی ایک عملی تصویر سامنے آجاتی۔ہم نے اپنے اساتذہ سے جامعہ کے استاذ الحدیث اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے شاگرد حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی علیہ الرحمہ کا جو نماز کا اہتمام سنا تھا، اس کا عملی مشاہدہ حضرت کی نماز کے اہتمام میں کیا۔

حضرتؒ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں میں سے ایک اپنے مشائخ واساتذہ کے ساتھ والہانہ تعلق اور عقیدت تھی۔عشاء کے بعد ہم حضرتؒ کے پاس ان کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے تو اکثر اپنے اساتذہ کے واقعات بڑی محبت سے سناتے اور فرطِ عقیدت سے اکثر آنکھیں بھیگ جاتیں۔ایک دن اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ’’ہم خان پور میں پڑھتے تھے، شرح جامی کا سبق تھا، سبق خود حل کرکے لانا ہوتا تھا، ایک دفعہ جمعرات کا دن تھا اور ہمارے اوپر گھر جانے کا نشہ سوار تھا، اس لئے سبق حل نہ کیا، صبح استاذ صاحب نے سبق سنا تو سبق یاد نہ تھا، استاذ جی نے غصے سے پوچھا کہ بھائی کیوں یاد نہیں کیا؟ تو میں نے کہہ دیا کہ نہیں جو یاد ہو تو اب کیا کریں؟ (حضرتؒ نے اتنی بات سنا کر فرمایا کہ آج تک مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میرے منہ سے یہ بات کیسے نکل گئی؟) بس یہ کہنا تھا کہ ساتھ میں ایک درخت تھا جس کی جڑوں میں چیونٹیوں کی بلیں تھیں، اس میں پانی ڈلوا کر وہاں استاذ جی نے کان پکڑوائے اور خوب جوتے بھی لگائے اور کتاب دے کر حکم دیا کہ ابھی سبق یاد کرکے سناؤ، بقول حضرت شہیدؒ کہ: بس پھر تو جو سبق ساری رات میں یاد نہیں ہوا تھا، صرف دس، بارہ منٹ میں یاد ہوگیا۔یہ واقعہ سنا کر استاذ صاحبؒ رونے لگے اور فرمایا کہ اگر استاذ جی اس وقت جوتے نہ لگواتے تو نجانے آج میں کہاں ہوتا؟۔

دورۂ حدیث کے سال آخری سبق کے بعد بڑی رقت آمیز دعاء کروائی اور آخر میں فرمایا کہ آپ یہ دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک حدیث کے ساتھ یہ تعلق برقرار رکھے اور شہادت کی موت عطاء فرمائے۔اللہ نے حضرتؒ کی اس دعاء کو حرف بحرف قبول فرمایا کہ بخاری کے درس کے لئے جاتے ہوئے ہی حضرتؒ نے جام شہادت نوش فرمایا۔شہادت کے بعد حضرت کے چہرہ کا اطمینان زبان حال سے ’’فزت ورب الکعبة‘‘ کا نعرہ لگا رہا تھا۔